بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حسن الدین ہاشمی

ہمارے قدیم مدارس اور درسگاہیں اور معاشرہ پر اُن کا اثر

اسلام ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں خدا ترسی، نیکی، رواداری اور باہمی اخوت کا دَور دورہ ہو۔ اسلام ملک، قوم اور رنگ و نسل کے تمام ناجائز امتیازات کا مخالف ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے خون کا پیاسا بنا دیتے ہیں۔ یہ سچّا دین کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں دیتا۔

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء آدم وآدم من تراب (عقد الفرید)

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

نسلی برتری کا تصور غلط ہے۔ محض کسی نسل سے تعلق دوسرے قبائل پر برتری کا سبب نہیں بن سکتا۔

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا انّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری مختلف شاخیں اور قبیلے محض اس لئے بنائے کہ تم (بآسانی) ایک دوسرے کو پہچان سکو (نہ اس لئے کہ نسلی برتری پیدا ہو) تم میں اللہ کے ہاں برگزیدہ وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسلام انسانوں کے سامنے وحدت کا تصوّر پیش کر کے یہ احساس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ سب لوگ ایک ہی جسد انسانیت کے مختلف اعضاء ہیں۔ پس جس طرح ایک عضو کی راحت تمام جسم کی راحت اور ایک عضو کی تکلیف تمام جسم کی تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح انسانوں کو جذبۂ خلّت سے سرشار

ہوکر دوسروں کے دُکھ کو اپنا دُکھ اور دوسروں کے سکھ کو اپنا سکھ سمجھنا چاہیئے اور یہ یقین کرلینا چاہیئے کہ ایک انسان کو تکلیف دینا پورے عالم انسانیت کو تکلیف پہنچانا ہے اور ایک انسان کو راحت پہنچانا تمام انسانوں کو راحت بخشنا ہے۔

من قتل نفسا بغیر نفس او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔

جس نے ناحق کسی جان کو قتل کیا گویا اس نے پورے عالم انسانیت کو ذبح کر ڈالا۔ اور جس نے ایک شخص کو زندگی بخشی گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

اسلام کا یہ وہ عظیم الشان تصور ہے جو انسانوں کو صلح و آشتی، امن و عافیت اور ہمدردی و رواداری کا درس دے کر معاشرے میں امن و محبت کی فضا پیدا کرتا ہے۔

اسلام جس اعلیٰ معاشرہ کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے جبر و اکراہ کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں ہے۔

لا اکراہ فی الدین - دین میں کوئی جبر نہیں

بلکہ عقل کا رخ کرتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ ہماری تعلیمات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ لو۔

فاعتبروا یا اولی الابصار - اے عقل والو! غور و فکر کرو۔

عقل سلیم جب غور و فکر کرتی ہے۔ تو اسلامی تعلیمات دل و دماغ کی گہرائیوں میں اترتی جاتی ہیں۔ فکر، عمل کی بنیاد ہوتا ہے۔ فکر کے بغیر عمل یا نفاق ہے یا جسم بے روح۔ اسی لئے اسلام پہلے فکر کو درست کرتا ہے۔ تاکہ اس فکری بنیاد پر عمل صالح کی عمارت کھڑی ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریمؐ ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے آپ نے تعلیمات اسلامی کا ایک مرکز قائم کیا۔ یعنی مسجد نبوی۔ جس میں شب و روز ذکر و فکر اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہتا۔ بلکہ معلّمین قرآن (اصحاب صفہؓ) کی ایک جماعت تو ہر وقت رہتی ہی مسجد میں تھی۔ مسجد نبوی کے علاوہ دوسری کئی جگہوں پر بھی مساجد قائم ہوئیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں باقاعدہ مدارس قائم نہیں ہوئے تھے بلکہ مساجد ہی درسگاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ کیا مقیم اور کیا مسافر، کیا امیر اور کیا غریب سبھی ان درسگاہوں میں زیر تعلیم رہ کر اسلامی تعلیمات حاصل کرتے۔

علماء دین نے ہر مسجد کو مذہبی درسگاہ بنا دیا۔ حجاج بن یوسف کی قماش کے حکام وقت نے اگرچہ دینی علم اور علماء سے بے اعتنائی برتی مگر یہ چیز علماء کے عزائم کو متزلزل نہ کرسکی۔ وہ ہر قسم کی معاشی تنگیوں

اور جانی و مالی خطروں سے بے نیاز ہو کر دین کو اپنے سینوں سے لگائے رہے۔ جامع مسجد بصرہ کے در و دیوار گواہ ہیں کہ حجاج کی دشمنی کے باوجود مسجد میں صبح و شام ہزاروں کا مجمع لگتا اور حسن بصری قال اللہ وقال الرسول کے مقدس کلمات سے لوگوں کے دل و دماغ منور فرماتے۔ اسی طرح کوفہ، دمشق، مدینہ منورہ اور دوسرے تمام شہروں کی مساجد میں دینی تعلیم برابر ہوتی رہی۔ جب بنی امیہ کے لاثانی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے حاکم حمص کو ایک تاریخی خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

انظر الی القوم الذین نصبوا انفسھم للفقہ وحبسوھا فی المسجد عن طلب الدنیا فاعط کل رجل منھم مائۃ دینار یستعینون بھا علی ما ھم علیہ من بیت المال حین یاتیک کتابی ھذا۔

ان علماء کا دھیان رکھو جنہوں نے دینی تعلیم کے لئے خود کو وقف کر رکھا ہے اور دین کو دنیا پر ترجیح دے کر خانۂ خدا میں پابند ہو گئے ہیں۔ جونہی تمہیں میرا یہ خط پہنچے ان میں سے ہر ایک کو سرکاری خزانہ سے ایک ایک سو دینار دو تاکہ وہ پورے اطمینان سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھ سکیں (تاریخ الاسلام ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن جلد اول)

مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر کوفہ کی جامع مسجد میں صبح و شام درس دیتے۔ آپ کا درس سننے کے لئے کوفہ کے سینکڑوں آدمی موجود ہوتے۔ دمشق کی جامع مسجد میں وقت کے مشہور فضلاء درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ مسجد سے متصل جس جگہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مکان تھا وہاں چند صدیوں بعد ایک عظیم الشان دینی درسگاہ دارالعلوم سمیاطیہ کا قیام عمل میں آیا۔

قرطبہ کی عظیم تاریخی جامع مسجد جس کا شمار دنیا کی چند حسین و جمیل اور باوقار عمارتوں میں ہوتا ہے۔ امام مالک کے عظیم شاگرد حضرت یحییٰ بن معین کی درسگاہ تھی۔ مشہور مفکر اسلام امام ابن حزم اندلسی نے بھی مسجد قرطبہ میں تعلیم پائی اور پھر ایک عرصہ تک اسی مسجد میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ امام حبیب بن لبید بھی مسجد قرطبہ میں درس دیتے رہے۔ اسی مسجد کے متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود — عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
کعبۂ ارباب فن سطوتِ دینِ مبین — تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

اسی اندلس میں غرناطہ کی شاندار جامع مسجد بھی تھی جس کا دالان وقت کی عظیم درسگاہ اور جس کے حجرے طلباء کی اقامت گاہ تھے۔ ارضِ اسپین میں جگہ جگہ مساجد تھیں جن میں فضلائے وقت درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اسی لئے علامہ اقبال بے ساختہ ہو کر کہتے ہیں ؎

ہسپانیہ تو خون مسلماں کا امیں ہے ماننِد حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں، خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں

قرطبہ و غرناطہ کی مساجد نے علم و فضل کے وہ آفتاب پیدا کئے جن کے انوار رہتی دنیا تک جگمگاتے رہیں گے۔

اسی طرح امام حماد، نخعی، اوزاعی، شعبی، پھر ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہ مساجد ہی کو درسگاہ کے طور پر استعمال کرتے رہے۔

دنیائے اسلام کی مشہور دینی درسگاہ جامع ازہر مصر کی ابتدا بھی مسجد سے ہوئی ۳۵۹ھ میں جوہر صقلی نے قاہرہ میں ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی جو دو سال میں مکمل ہوئی۔ اس مسجد کی عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس کی چھت والا حصہ سنگِ مرمر کے ۷۶ ستونوں پر قائم تھا۔ اور سامنے بہت وسیع صحن تھا۔ ۳۷۸ھ میں اس مسجد نے ایک دینی درسگاہ کی حیثیت سے شہرت پائی۔ پانچویں صدی ہجری میں اس میں نئی عمارتوں کا اضافہ ہوا۔ اس طرح اس نے باقاعدہ ایک مدرسے کی شکل اختیار کر لی۔ ۱۱۶۷ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے اس کا نقشہ ہی بدل دیا۔ خستہ حصوں کی مرمت کرائی اور بہت سی نئی تعمیرات کا اضافہ کیا۔ جس سے اس یونیورسٹی کے حسن و وقار اور شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

مدارس کی ابتدا

سب سے پہلا باقاعدہ مدرسہ کس سال قائم ہوا۔ یہ بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ اسلام اپنی پہلی صدی ہی میں جزیرہ عرب سے بڑھ کر روم، ایران، اسپین، افریقہ، ترکستان اور ہندوستان وغیرہ میں پھیل چکا تھا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ سب ممالک میں پہلے پہل دینی مراکز مساجد ہی تھیں۔ جنہیں درس و تدریس کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس قدر پھیلے ہوئے ممالک میں ابتدائی مدرسہ کا پتہ لگانا یقیناً بہت مشکل ہے۔ سال کی بات تو الگ رہی اس میں بھی شدید اختلاف ہے کہ پہلا مدرسہ کس صدی میں قائم ہوا۔ چیمبرس انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ "مامون الرشید کے زمانہ میں عمدہ عمدہ مدرسے بغداد، بصرہ، کوفہ اور بخارا میں قائم ہوئے" اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے "مامون نے اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں خراسان میں ایک مدرسہ بنوایا جس میں مختلف ملکوں سے نہایت لائق لائق استاد بلا کر مقرر کئے اور یسوع نامی ایک بڑے فاضل کو جو دمشق کا رہنے والا اور مذہباً عیسائی تھا مدرسہ کا مہتمم مقرر کیا" اگر یہ حوالے صحیح ہوں تو پھر اسلامی مدارس کی ابتدا تیسری صدی ہجری کی پہلی چوتھائی میں ہوتی ہے کیونکہ مامون نے ۱۹۸ھ میں امین کو قتل کر کے سلطنتِ عباسیہ پر پورا تسلط قائم کیا۔ ظاہر ہے کہ چند سال اسے سیاسی استحکام میں لگے ہوں گے۔ اس طرح تیسری صدی کے شروع میں مدارس

کی ابتدا ہوئی ہو گی ۔ مگر مذکورہ دونوں حوالے تاریخی طور پر ثابت نہیں ہوتے ۔ کسی بھی قدیم اسلامی تاریخ نے وہ بات نہیں لکھی جو ان حوالوں میں مذکور ہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ مامون بہت علم دوست بادشاہ تھا اس کے عہد میں نئے نئے علوم یونانی سے عربی میں منتقل ہوئے مگر سب کی تدریس یا تو مساجد میں ہوتی تھی یا بعض علماء کے مکانوں پر ۔ باقاعدہ مدرسے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔

علامہ ذہبی اور ابن خلکان کا کہنا ہے کہ عالم اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے باقاعدہ دینی مدرسے قائم کئے وہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا وزیر اعظم خواجہ نظام الملک طوسی ہے ۔ مگر علامہ سبکی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد دوم میں فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ نیشاپور کا مدرسہ بیہقیہ اس وقت بھی موجود تھا جبکہ نظام الملک (پیدائش ۴۰۸ھ) ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا ۔ اسی طرح نیشاپور کا مدرسہ سعدیہ بھی پہلے سے موجود تھا جسے سلطان محمود غزنوی کے بھائی نصر بن سبکتگین نے تعمیر کرایا تھا ۔ امام جلال الدین سیوطی بھی علامہ ذہبی و ابن خلکان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں فرماتے ہیں کہ نظام الملک کی پیدائش سے پہلے سنہ ۳۹۵ھ میں حاکم مصر نے مصر میں ایک عالیشان مدرسہ بنوایا جس میں ایک عظیم کتب خانہ قائم کیا اور تدریس کے لئے یگانۂ روزگار فقہاء و محدثین کا تقرر عمل میں لایا ۔

قدیم دینی مدارس

محمود غزنوی جب متھرا سے فاتح ہو کر لوٹا تو سنہ ۴۱۰ھ میں اس نے غزنی میں ایک حسین ترین مسجد تعمیر کرائی جس میں سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھر استعمال کئے ۔ اس کے حسن کی یہ کیفیت تھی کہ لوگوں نے اس کا نام ہی عروس فلک رکھ دیا ۔ مسجد سے متصل ایک عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا ۔ جس کے کتب خانے میں بڑی نادر کتابیں جمع کیں ۔ جب دوسرے اعیان مملکت نے سلطان کے اس کارِ خیر کو دیکھا ۔ تو ان کے دل میں بھی اس نیک کام کی تقلید کا جذبہ پیدا ہوا ۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے غزنی عظیم علمی مرکز بن گیا ۔

بغداد کی قسمت ابھی نظام الملک کی آمد کی منتظر تھی لیکن نیشاپور علم کا مخزن بن چکا تھا ۔ نصر بن سبکتگین کا مدرسہ علم کے دریا بہا رہا تھا ۔ ادھر مدرسہ بیہقیہ سے علوم و فنون کے دھارے پھوٹ رہے تھے جس کے صدر مدرس امام ابو القاسم اسفرائینی جیسے یگانۂ روزگار تھے ۔ امام غزالی استاذ امام الحرمین نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی ۔ نیشاپور کے لوگوں نے استاذ ابوبکر فورک (متوفی ۴۰۶ھ) کو بڑے اصرار سے اپنے ہاں بلایا جب وہ تشریف لائے تو ان کے درس کے لئے عوامی چندہ سے ایک عظیم دار العلوم قائم کیا گیا ۔ دنیائے اسلام میں عوامی چندہ سے قائم ہونے والا شاید یہ پہلا مدرسہ تھا ۔ ایک مدرسہ علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی کے لئے قائم کیا گیا جب نظام الملک

طوسی کا دور آیا تو اس نے ایک عالیشان مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ مگر جب اسی علم پرور وزیر نے بغداد میں مشہور تاریخی مدرسہ نظامیہ قائم کیا تو اس کی شہرت کے سامنے نیشاپور کے نظامیہ کی شہرت ماند پڑ گئی اور مطلق نظامیہ سے نظامیہ بغداد مراد لیا جانے لگا۔ مدرسہ نظامیہ کی شہرت کا باعث، اولیت کی بجائے عظمت تھی۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں کم و بیش چھ ہزار طلباء زیر تعلیم تھے۔ نظام الملک نے ۴۵۷ھ میں اس کی تعمیر شروع کرائی اور ۱۰ ذیقعدہ ۴۵۹ھ کو اس میں تعلیم کا افتتاح ہوا۔ استاذ زماں علامہ ابو اسحٰق شیرازی صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ اس وقت تک قائم رہا جب تک کہ بغداد کی اسلامی مملکت برقرار رہی۔ شیخ سعدی اس مدرسہ کے دور اخیر کے طلباء میں سے تھے۔ اس دار العلوم میں امام محمد غزالی، ابن الخطیب تبریزی اور ابو الحسن قصیحی وغیرہ صدر مدرس اور امام احمد غزالی اور ابو المعالی قطب الدین شافعی جیسے لوگ نائب مدرس رہے۔

خواجہ نظام الملک نے صرف بغداد و نیشاپور ہی میں نہیں بلکہ بلخ، ہراۃ، اصبہان، بصرہ، مرو، آمل اور موصل وغیرہ میں بھی شاندار دینی مدرسے قائم کئے جن پر زر کثیر صرف کیا۔ اور ان کے اخراجات کے لئے شاہی خزانہ سے سالانہ وظائف مقرر کئے۔ ایک مرتبہ شاہ وقت سلطان ملک شاہ سلجوقی نے نظام الملک کو بلا کر کہا آپ جس قدر زر کثیر ان مدارس پر صرف کر رہے ہیں اس سے تو ایک بڑی فوج تیار کی جا سکتی ہے۔ اس کا جو جواب نظام الملک نے دیا وہ تاریخ کے صفحات پر یادگار رہیگا۔ نظام الملک نے کہا" تمہاری فوج کے تیر چند قدم تک کام دے سکتے ہیں۔ لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اس کی دعاؤں کے تیر آسمان کی ڈھال بھی نہیں روک سکتی" اس پر ملک شاہ بے ساختہ مرحبا کہہ اٹھا اور بولا" ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہو زیادہ تیار کی جائیں"۔

مدرسہ نظامیہ کے علاوہ بغداد میں کئی اور دینی مدارس بھی قائم ہوئے جیسے مدرسہ تاجیہ جسے تاج الملک نے ۴۸۲ھ میں قائم کیا۔ مدرسہ مستوفیہ جسے شرف الملک ابو سعد نے ۴۹۴ھ میں قائم کیا۔ مدرسہ کمالیہ جسے کمال الدین ابو الفتوح نے ۵۳۵ھ میں تیار کرایا۔ مدرسہ مستنصریہ جس کی بنیاد خلیفہ مستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ میں رکھی اور ۶۳۱ھ میں مکمل ہوا۔

نور الدین محمود قرنگی نے (متوفی ۵۶۹ھ) مصر و شام میں بڑے بلند پایہ مدرسے قائم کئے اور دار الحکومت دمشق کو تو عظیم علمی مرکز بنا دیا۔ یہاں چھوٹے مدارس کے علاوہ ایک ایسا عظیم الشان جامعہ بنوایا جو مدتوں اپنی نظیر آپ رہا۔ علامہ ابن جبیر فرماتے ہیں جب میں ۵۷۸ھ کو دمشق گیا تو وہاں ۲۰ عظیم الشان مدرسے

ہائے جن کے مصارف شاہی خزانہ برداشت کرتا تھا۔

سلطان صلاح الدین (متوفی ۵۸۹ھ) نے مصر میں کئی مدرسے قائم کئے جیسے صلاحیہ، شافعیہ، قمحیہ اور شریفیہ۔ مدرسہ صلاحیہ میں علامہ نجم الدین خبوشانی صدر مدرس مقرر ہوئے اور تقی الدین، دقیق العید، سراج بلقینی، حافظ ابن حجر اور قاضی بہاؤ الدین وقتاً فوقتاً مدرس رہے۔

افریقہ کے شہر تلمسان کے قریب مسجد سدی بو مدین بہت مشہور ہے یہ مسجد ۷۳۹ھ میں تعمیر ہوئی اور علماء دین نے اس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا ۷۴۷ھ میں مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا گیا جس کے طلباء و مدرسین کے اخراجات کا کفیل مسجد کا اوقاف تھا۔

سلطان محمد فاتح نے ۸۶۵ھ کو قسطنطنیہ میں ایک عظیم الشان جامعہ کا سنگ بنیاد رکھا جو ۸۷۵ھ میں مکمل ہوا۔ آٹھ مدرسے اس جامعہ کے ماتحت تھے۔ علامہ علاؤ الدین طوسی، خواجہ زادہ، ملا عبدالکریم اور محمد بن مصطفیٰ جیسے فضلاء عصر اس میں مدرس مقرر ہوئے۔ اکثر مدرسین کی تنخواہ تین ہزار درہم ماہوار تھی۔ سلطان محمد خاں علم دوست حکمران تھا وہ خود بھی ان مدارس میں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب سلطان جامعہ گیا تو اتفاق سے اس وقت علامہ علاؤ الدین، میر سید شریف کی کتاب شرح عضد پڑھا رہے تھے۔ سلطان خود بھی فاضل آدمی تھا علامہ کے فاضلانہ درس سے اس قدر محظوظ ہوا کہ بار بار وجد کے سے انداز میں کھڑا ہو جاتا۔ جب درس ختم ہوا تو دس ہزار درہم علامہ کو اور پانچ پانچ سو طلباء کو دیئے۔

برصغیر کے مدارس

۵۸۷ھ میں جب شہاب الدین غوری نے اجمیر فتح کیا تو وہاں کئی مدرسے قائم کئے یہ مدارس برصغیر کے قدیم ترین مدارس تھے ۵۸۹ھ میں شمس الدین التمش نے دہلی کو دینی مرکز بنا دیا۔ بہت سے مدارس قائم کئے جن کا خرچ شاہی خزانہ پورا کرتا تھا۔ بعد کے مسلمان حکمرانوں نے بھی دینی مدارس کی طرف خاص توجہ دی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۷۵۳ھ کو فیروز آباد دہلی میں مدرسہ فیروز شاہی قائم کیا یہ دار العلوم اپنی شان و شوکت، حسن عمارت اور بہترین تعلیم و تنظیم کے اعتبار سے برصغیر کے تمام مدارس میں سب سے اعلیٰ تھا۔ اس کے تمام اخراجات شاہی خزانہ برداشت کرتا تھا۔ سلطان نے اس میں تدریس کے لئے انتہائی قابل علماء کو منتخب کیا۔ اس دار العلوم کے دو مدرس تو یگانۂ روزگار تھے۔ ایک مولانا جلال الدین رومی (یہ مثنوی والے جلال الدین رومی نہیں) جو تفسیر، حدیث اور فقہ کے جلیل القدر فاضل تھے اور دوسرے سمرقند کے ایک علامہ تھے۔ سلطان نے دہلی میں ایک دوسرا دار العلوم مدرسہ حوض خاص بھی

قائم کیا۔ یہ مدرسہ اُس حوض کی نسبت سے حوض خاص کہلاتا ہے جسے علاؤالدین خلجی نے بنوایا تھا۔ لوگوں کی بے توجہی کے سبب یہ حوض مٹی سے بھر گیا۔ فیروز شاہ تغلق نے ۷۵۵ھ میں اسے صاف کرایا اور اس پر یہ مدرسہ حوض خاص قائم کیا۔ وقت کے مشہور علماء کو اس میں مدرس مقرر کیا۔ سید یوسف بن جمال حسینی جیسے علامہ اسی مدرسہ میں مدرس تھے۔ جب ۷۹۰ھ میں حضرت علامہ کا انتقال ہوا۔ تو اس پیکر علم کو صحن مدرسہ ہی میں دفن کیا گیا۔ آج بھی سید یوسف حسینی کا مزار مرجع خلائق ہے۔

پندرھویں صدی عیسوی میں محمد شاہ بہمنی کے مشہور علم دوست اور علم پرور وزیر محمود گاواں نے دکن کے شہر بیدر میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا جس کی عمارت برصغیر کی چند عالیشان عمارتوں میں سے تھی۔ اس مدرسہ کی شکستہ عمارت اب بھی موجود ہے۔ مگر آج بھی اس خستہ و شکستہ عمارت سے اسکی عظمت ماضی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دور سے نلوں کے ذریعے اس مدرسہ پر مصنوعی بارش برسائی جاتی تھی۔ مدرسہ کے صحن میں ایک خوبصورت مسجد بھی تھی۔ مدرسہ کے تمام مصارف مسجد کے اوقاف سے پورے ہوتے تھے۔ مطالعہ کے لئے ایک عظیم الشان لائبریری تھی جس میں مختلف فنون کی ہزاروں کتابیں تھیں۔ مسٹر ٹیلر اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھتا ہے "شہر بیدر میں محمود گاواں کا مدرسہ شاید اس عہد کی عظیم ترین مکمل عمارت تھا۔ ایک نہایت وسیع احاطے کے اردگرد دو منزلہ عمارت تھی جس میں محرابیں ہی محرابیں تھیں اور یہ عمارت نہایت اچھے کمروں میں منقسم تھی۔ سامنے کے حصّوں میں دونوں گوشوں پر سو سو فٹ سے بھی اونچے دو مینار بنائے گئے تھے۔ اور عمارت کا چہرہ کاشی کاری سے مزین تھا جس میں نیلی زرد اور سرخ زمین پر گل کاری کی گئی تھی اور خط کوفی میں قرآن مجید کی آیات ثبت تھیں"۔

جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں اس کی رضاعی ماں ماہم بیگ۔ نے ۹۶۹ھ میں پرانا قلعہ دہلی کے غربی دروازے کے سامنے ایک مسجد و مدرسہ تعمیر کرائے۔ مدرسہ کا نام خیر المنازل رکھا۔ یہ مدرسہ اپنے وقت کا مشہور مدرسہ تھا مگر اب تو اس کے نشان بھی مٹ چکے ہیں۔

کسی دور میں سیالکوٹ اپنی علمی شان و شوکت کے اعتبار سے بہت نمایاں تھا۔ یہاں مولانا کمال جیسی شخصیت فیض بار تھی اور عہد شاہجہاں میں آسمان علم و عرفان کے درخشندہ آفتاب اور مشہور مصنف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، انوار علم سے طلباء کے قلوب منور فرما رہے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے نامور فرزند حضرت عبداللہ لبیب مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ سیالکوٹ میں امام علی بن زین العابدین کے مزار سے متصل بھی عرصے سے مسجد و مدرسہ قائم ہیں۔

کسی دور میں لاہور کی جامع مسجد وزیر خاں ایک عظیم دار العلوم کی حیثیت رکھتی تھی اسکے دو رویہ

رہائشی کمرے ہیں جن میں طلباء ٹھہرا کرتے تھے۔ اخراجات پورا کرنے کے لئے مسجد کے ساتھ وقف دکانیں ہیں۔

لکھنؤ کے فرنگی محل کا نام کس نے نہیں سنا۔ جب ۱۱۰۳ھ میں ملا قطب الدین شہید کا انتقال ہوا تو آپ کا خاندان سہالی سے فرنگی محل لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ اس وقت ملا شہید کے نامور فرزند ملا نظام الدین (جن کے نام سے درس نظامی مشہور رہے) کی عمر صرف چودہ برس تھی۔ چوبیس برس کی عمر میں آپ نے تعلیم سے فراغت پائی اور مسند تدریس پر فائض ہوئے۔ آپ کے فیض سے فرنگی محل علم و فضل کا عظیم سرچشمہ بن گیا۔ پونے تین سو سال سے یہ دینی مرکز علم دین کے آفتاب و ماہتاب پیدا کر رہا ہے۔

علم دین کی اشاعت میں روہیل کھنڈ کے دینی مدارس کا بھی بڑا حصہ ہے۔ جب حافظ الملک رحمت نے روہیل کھنڈ پر قبضہ کیا تو وہاں کے بڑے بڑے شہروں کو علم و فن کے اعتبار سے رشک دلی بنا دیا۔ وہاں بڑی بڑی مساجد اور عظیم الشان دار العلوم تعمیر کرائے۔ جن میں تدریس کے لئے وقت کے جیّد علماء کی خدمات حاصل کیں۔ بڑے اصرار سے حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم کو شاہجہان پور بلوایا جہاں آپ بیس برس تک مسند تدریس پر رونق افروز رہے۔ حافظ الملک نے بریلی کو بھی علم عظیم مرکز بنا دیا۔ بہت سے مدارس قائم کئے۔ جن میں سینکڑوں طلباء علم دین حاصل کرتے تھے۔ اس دور کا ایک ہندو مصنف کندن لال اشکی اپنی کتاب نزہتہ الناظر میں لکھتا ہے "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بریلی میں قیام کے دوران قریبًا تین سو طلباء میرے آشنا تھے"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس وقت بریلی میں کس قدر کثیر تعداد میں طلباء علوم دینیہ اپنی تشنگی بجھا رہے تھے۔ اسی طرح حافظ الملک نے پیلی بھیت میں بھی ایک عظیم مدرسہ اور عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ صرف مسجد کی تعمیر پر ساڑھے تین لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ ان مدارس کے مدرسین کے وظائف اور طلباء کے اخراجات حکومت کی طرف سے پورے ہوتے تھے۔

برصغیر کے دینی مدارس میں رامپور کا مدرسہ عالیہ بھی ایک عظیم و قدیم دینی درسگاہ ہے جس سے علم دین کے ہزاروں پیاسے سیراب ہو کر نکلے۔ اس دار العلوم میں بھی بڑے بڑے جیّد علماء کے خزانے لٹاتے رہے۔ یہاں پانچ برس تک مولانا عبد العلی بحر العلوم بھی صدر مدرس رہے۔ جنہیں نواب فیض اللہ خاں نے بلا کر اس منصب پر فائض کیا۔ برصغیر کے مشہور منطقی عالم ملا حسن بھی عرصہ تک یہاں مدرس رہے۔ یہ دار العلوم آج بھی قائم ہے۔ اگرچہ پہلے جیسی شان و شوکت نہیں رہی۔

برصغیر میں دو علمی خاندان بہت ہی مشہور ہیں ایک تو ولی کا ولی اللّٰہی خاندان ہے جو ارضِ ہند میں آفتاب علم بن کر چمکا۔ عمر بھر شاہ ولی اللہ خدمت حدیث فرماتے رہے۔ آپ کے بعد آپ کے نامور فرزند حضرت شاہ عبد العزیز مسند تدریس پر فائض ہوئے۔ پھر شاہ اسحٰق نے اس خدمت

کو اپنے ذمہ لیا اس خاندان کی فیض رسانی کی یہ کیفیت ہے کہ برصغیر میں کوئی بھی ایسا عالم نہیں جو کسی نہ کسی واسطے سے ان کا شاگرد نہ ہو۔

دوسرا علمی خانوادہ خیرآبادی خاندان ہے جس نے معقول میں مسلمانوں کی علمی برتری کو قائم رکھا۔ یہ اس خاندان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ خیرآباد کی سرزمین میں مولانا فضل امام نے علم کی شمع روشن کی، پھر آپ کے صاحبزادے مولانا فضل حق خیرآبادی مسند تدریس پر فائض ہوئے، پھر مولانا عبدالحق خیرآبادی اور ان کے صاحبزادے انوار الحق خیرآبادی آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ اس علمی خاندان کا فیض برصغیر کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے۔

دینی درسگاہوں اور مدارس کا یہ عظیم فیضان ہے کہ مسلمان اور اسلام ایک زندہ و جاندار حقیقت کے طور پر موجود ہیں۔ اور دین فطرت پورے عالم انسانیت کو انسانیت کا درس دے رہا ہے۔ کوئی اس کا نام لے کر اور کوئی اس کا نام لئے بغیر اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر فوز و فلاح پا رہا ہے۔